تحقید

جلد04شمارہ02،2023

جگن ناتھ آزاد کی نظم 'اردو' کا تحقیقی جائزہ

A Review of Jagan Nath Azad’s Poem ‘Urdu’

[1]ڈاکٹر روبینہ یاسمین، [2]ڈاکٹر افشین شوکت، [3]ڈاکٹر رابعہ سرفراز

[1] اسسٹنٹ پروفیسر (وزیٹنگ)، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی فیصل آباد، [2]اسسٹنٹ پروفیسر (وزیٹنگ)، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

[3]ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

Dr. Rubina Yasmeen[1], Dr. Afsheen Shaukat[2], Dr. Rabia Sarfraz[3]

[1] Assistant Professor (Visiting), Dept. of Urdu, Govt. College Women University, Faisalabad
[2] Assistant Professor (Visiting), Dept. of Urdu, Govt. College Women University, Faisalabad
[3] Associate Professor, Dept of Urdu, Government College University, Faisalabad

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT:
Urdu is our National language and it is the source of expression of Poets and writers. Jagan naath Azad is known as a Poet, Writer, Researcher, Biographer, Sketch writer and Travel writer. His poetry is full of passion. He loves and respects for Urdu language. Actually, the purpose of presenting the poem is not to mention the names of these writers but to show that both Hindus and Muslims have played their role in the development of Urdu language and Urdu is not the language of any one class but it is the language of all India. There is language. That is why liberals believe that no reduction can affect the validity of the objective.The words that have been used in the poem are full of charm and elegance. This poem has eight stanzas and it falls under the category of free verse, this randomness and fragmentation of the free verse has increased the beauty of the poem immensely, no doubt it is also a unique way of conveying a message. Urdu as the national language and its impact on literature through the works of Jagannath Azad is overall, the analysis underscores Urdu's versatility and its ability to bridge cultural divides while highlighting the unique stylistic elements employed in the featured poem.

KEYWORDS: Tradition, Religious, Translation, Urdu, Language of love

جگن ناتھ آزاد ایک محقق، سوانح نگار، خاکہ نگار، سفر نامہ نگار کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ شاعری میں انہوں نے غزل، نظم اور مرثیہ مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ماہرینِ اقبالیات میں بھی ہمیشہ سرفہرست رہے۔ انھوں نے علامہ اقبال کے

فکر و فن کے مختلف پہلوؤں پر متعدد کتابیں لکھیں۔ انہوں نے بچوں کے لیے ”اقبال کی کہانی“ لکھی اور محبانِ اقبال کے لیے کئی جلدوں پر مشتمل معرکتہ الآرا کتاب ”روداِد اقبال“ اور ”اقبال اور مغربی مفکرین“ منظر عام پر آئیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اقبال کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاتا ہے۔

سلیم اختر اپنے مضمون "آزاد مرد! پروفیسر جگن ناتھ آزاد" میں لکھتے ہیں:

"جگن ناتھ آزاد ذات و صفات، بصیرت و کردار اور شخصیت ہر لحاظ سے 'آزاد' منش تھے۔ یہی نہیں بلکہ پاکستان، اردو اور اقبال سے محبت کی بنا پر انھیں اقبال ہی کے الفاظ میں 'مردِ حُر' بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔"[1]

جگن ناتھ آزاد کی شاعری کے نو مجموعے چھپ چکے ہیں۔ جن کے نام "طبل و علم"، "بیکراں"، ستاروں سے ذروں تک، وطن میں اجنبی، نوائے پریشان، بوئے رسیدہ، گہوارہ علم و ہنر وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ دو شعری انتخاب بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔ اردو ادب میں جگن ناتھ آزاد کے نام کو کسی تعارف کی کوئی ضرورت نہیں. آپ نے شاعری میں نظم، غزل اور مرثیہ جیسی اصناف میں اپنا ہنر دکھایا ہے۔ آپ تقسیم ہند سے پہلے اعلیٰ عہدوں پر اپنے فرائضِ منصبی ادا کر چکے تھے۔ آپ کو اپنے دور کے اعلیٰ پائے کے اساتذہ اور اردو کے ستاروں کی صحبت میسر رہی۔ اس بارے میں اسلم پرویز لکھتے ہیں:

"پروفیسر جگن ناتھ آزاد ان خوش نصیبوں میں تھے جنھیں اپنے دور کے بہترین لوگوں کی صحبتیں نصیب ہوئیں، جنھیں حالات نے تحصیلِ علم کے بھی وافر مواقع فراہم کیے اور جن میں حسبِ توفیق ذہانت بھی تھی۔"[2]

اس مشترکہ قدر و تہذیب میں ہندو، مسلم اور سکھوں کی جداگانہ فرقہ واریت کا تصور نہیں تھا۔ ایسے لوگوں نے تقسیم کے بعد بھی ایک دوسرے کی قدر کی اور پنجابیوں میں اردو کے ساتھ اس درجہ عشق کی انتہا اگر دیکھنی ہو تو سرحد کے اس پار 'مخزن' کے بانی سر عبد القادر اور ادبی دنیا کے مولانا صلاح الدین کو اور سرحد کے اس پاس مالک رام اور پروفیسر جگن ناتھ آزاد کو دیکھیے جن کا اصرار تھا کہ پنجابی سر آنکھوں پر مگر پنجاب کی علمی، ادبی، تہذیبی اور تمدنی زبان تو اردو ہی ہے۔ اس بارے میں اسلم پرویز لکھتے ہیں:

"وہ تقسیمِ ہند سے پہلے کی پنجاب کی اس اردو تہذیب کے فرزند تھے جو ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کی مشترکہ اخلاقی اقدار اور تہذیبی میراث تھی۔"[3]

جگن ناتھ آزاد نے نعتیہ شاعری میں بھی بڑا مقام حاصل کیا، جب کہ وہ ہندو تھے۔ انھیں بریڈ فورڈ پبلی کیشنز (برطانیہ) کا پاک سیرت (اول) ایوارڈ ملا اور ان کے نعتیہ کلام کے تراجم بھی ہوئے۔ اس بارے میں سلیم اختر رقم طراز ہیں:

"نعت کے ضمن میں جگن ناتھ آزاد کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان کے نعتیہ کلام کا فرانسیسی زبان میں منظوم ترجمہ کیا، یہ ترجمہ پیرس سے شائع ہوا۔
"[4]

جگن ناتھ آزاد کی عمر مسلمانوں کے ساتھ گزری، جن کی ذہنی تربیت میں اردو اور فارسی کی شاعری نے فعال کردار ادا کیا، اسی لیے آپ نسلی تعصب سے دور رہے۔ آپ کو خوش اخلاقی پسند تھی اور محبت اور امن کا پیام ہی شاعری کا موضوع رکھا۔

اُردُو

"اردو" جگن ناتھ آزاد کی ایک شہرہ آفاق نظم ہے۔ یہ نظم انھوں نے ۱۹ ستمبر ۱۹۵۰ء کو اُردو مجلس دہلی کی پہلی سالگرہ کی تقریب کے موقع پر پڑھی۔ پھر تقسیمِ ہند کے بعد دہلی میں انجمن ترقی اُردو (ہند) میں خواجہ حسن نظامی کی زیر صدارت ڈیویکوز ہال میں پڑھی، پہلی بار یہ نظم مکتبہ قصہ اردو سے مارچ ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کو بہت پسند کیا گیا اور دوسری بار دسمبر ۱۹۵۴ء میں چھپی۔ اس کتاب کے ۳۲ صفحات ہیں۔ اس کا پنچواں ایڈیشن 1966 میں شائع ہوا اس ایڈیشن میں مزید اضافے کیے۔ اس کے صفحات کی تعداد 63 ہے۔

دسمبر ۱۹۵۲ء میں آزاد نے دوسری اشاعت میں "دیباچہ ثانی" کا ضافہ کیا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ دوسرے ایڈیشن میں اکثر شعراء اور ادباء کے نام جو اصل نظم میں موجود نہیں تھے، اب شامل کیے گئے ہیں۔ آخر میں شاعر اور ادیب کے ادبی کارناموں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ایک تعارف نامہ موجود ہے جس میں دو باتوں کی جانب وہ خاص طور پر ناظرین کی توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ شعرا اور ادبا کے ناموں کے ذکر میں کسی تاریخی ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا۔ جیسے جیسے ان کے نام خیال میں آتے گئے وہ نظم میں شامل ہوتے گئے۔ تاریخی ادب کی کسی کتاب کو سامنے رکھ کر شعر کہنا ان کے بس میں نہیں تھا، اسی لئے یہ ممکن ہے کہ بعض اہم نام اس نظم میں شامل ہونے سے رہ گئے ہوں۔

اصل میں نظم پیش کرنے کا مقصد ان مصنفین کی نگارشات کے نام گنوانا نہیں بلکہ یہ پیش کرنا ہے کہ اردو زبان کی پرورش میں ہندو اور مسلمان دونوں نے اپنا کردار ادا کیا ہے اور اردو کسی ایک طبقے کی زبان نہیں ہے بلکہ یہ سارے ہندوستان کی

زبان ہے۔ اسی لیے آزاد یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی بھی کمی بیشی مقصد کی صداقت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اردو زبان سے ان کی عقیدت کے بارے میں محمد توفیق خاں لکھتے ہیں:

"انھوں نے انگریزی زبان و ادب کا اتنا وسیع مطالعہ کرنے کے باوجود اپنی زبان کے ساتھ کھلواڑ کبھی نہیں کیا بلکہ پوری دنیا میں اپنی تقریروں، تحریروں اور شاعری کے ذریعہ اُردو زبان کی وہ خدمت کی ہے کہ انھیں محسنِ اردو کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔"[5]

نظم میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں چاشنی، تراوٹ اور دلکشی نکھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اس نظم کے آٹھ بند ہیں اور یہ آزاد نظم کے زمرے میں آتی ہے، آزاد نظم کی اس بے ترتیبی اور بکھراؤ نے نظم کے حسن میں بے پناہ اضافہ کیا ہے بلا شبہ یہ بھی پیغام رسانی کا ایک منفرد انداز ہے۔

اس نظم میں "پیش نامہ" کے عنوان سے قاضی محمد عبدالغفار جو کہ انجمنِ ترقی اردو کے سیکٹری ہیں نے ۳۰ دسمبر ۱۹۵۰ء کو اپنے خیالات کا اظہار پیش کیا ہے۔ وہ اس نظم کو اردو زبان کے ارتقاء کی تاریخ کا ایک جزو سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں:

" آزاد ہندوستان کے اس دوسرے جنم کے نقیب ہیں لیکن وہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ "ایک ہی قدم میرے لیے بس ہے" وہ آزاد ہندوستان کے بارے میں ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ آگے لکھنا چاہتے ہیں۔ مطلب ہو ہماری آزادی کی تکمیل ذہنی سماجی اور اخلاقی ابھی باقی ہے۔ قاضی عبدالغفار کہتے ہیں کہ آزاد کے کلام کا گہرا اثر اس لیے میرے دل پر پڑا ہے" کہ ۴۷ء کی فرقہ واری کی آگ میں گزر کر اپنے آپ کو تعصبات کی گندگی سے بچا کر، آوارۂ وطن ہو کر ہندوستان آئے۔ یہ انسانی کردار کا ایک بہت بلند مقام ہے اور ایسے شاعر کی آواز کو محض شاعرانہ سخن آرائی نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ غیب کی آواز ہے اور زندگی کی ایک نوید ہے۔[(6)]

قاضی عبدالغفار کی رائے ہے کہ آزاد کی ذہنی زندگی روشن اور تاباں ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ایسے ہی رہے گی گرد و غبار سے پاک! اور ان کے چراغ سے ہزاروں چراغ ہمارے عزیزِ وطن میں روشن ہوں گے اور ایک دن آئے گا کہ اس ملک میں شاعروں کی شاعری اور ادیبوں کا ادب عوام کی زندگی کا اس طرح آئینہ دار ہو گا کہ پھر عکس کو آئینہ سے جدا نہ کیا جا سکے گا۔

جگن ناتھ آزاد تمہید میں لکھتے ہیں کہ تقریباً ۱۹۴۴ء میں انجمن ترقی اردو لائل پور (فیصل آباد) نے علاقہ برج موہن کیفی کے اعزاز میں ایک ادبی جلسہ مقرر کیا تھا اور مجھے لاہور سے اس جلسے میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ عموماً مخصوص تقریبوں میں اپنی ادبی چیزیں پڑھتا ہوں، لیکن اس تقریب کے لیے میں نے خاص طور پر ایک نظم کہی، بد قسمتی سے میں جس وقت لائل پور پہنچا تقریب ختم ہو چکی تھی اور میرے میزبان تقریب میں شرکت کے بعد گھر واپس جا چکے تھے مجھے اس محفل میں شریک نہ ہونے کا افسوس ہوا اور نظم کاغذات میں دھری کی دھری رہ گئی۔

۱۹۴۷ء میں میں لاہور سے چلا تو اس بے ترتیبی سے کاغذ جمع کیے کہ اکثر کام کی چیزیں، کتابیں، مسودے وغیرہ وہیں رہ گئے اور میرے ساتھ دلی آ گئے۔ کچھ ماہ ہوئے جب میں نے یہ کاغذات دیکھے تو ان میں سے یہ نظم بر آمد ہوئی اور مجھے یہ خیال آیا کہ نئے حالات میں بھی شائد اس کی اہمیت کم نہیں ہوئی بلکہ پہلے سے بڑھ گئی ہے تو اسے موجودہ صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تمہید اس لیے لکھی گئی ہے پڑھنے والے اس نظم کو تازہ نہ سمجھیں، کیونکہ اردو سے جو توقعات اس نظم میں وابستہ کی گئی ہیں ان میں سے اکثر پوری نہیں ہو سکیں، لیکن جن جذبات کا میں نے اظہار کیا ہے وہ آج بھی میرے ہی جذبات ہیں کیونکہ تقسیمِ ہند اور اس تقسیم سے جڑے ہوئے جذبات مجھ سے ان جذبات کو چھیننے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ شاہد احمد دہلوی لکھتے ہیں:

> "آزاد اردو کے شعرا میں جو تقسیم کے بعد ابھرے، بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اصل میں
> تقسیم سے جوان کے دل کو چوٹ لگی، اسی نے اُن کو بڑا شاعر بنا دیا۔ وطن کی یادوں نے
> جس درد و غم کو ابھارا وہ غزلوں کے قالب میں ڈھل کر اعلیٰ شاعری بن گیا۔"[7]

اردو سے آزاد کو عشق تھا حالانکہ اردو آزاد کی مادری زبان نہیں تھی مگر ان کو اردو سے لگاؤ ایسے تھا جیسے کسی اہلِ زبان کو ہونا چاہیے تھا اور ان کا لب و لہجہ بھی دلی والوں کا سا تھا۔ حمیدہ سلطان اپنی کتاب جگن ناتھ آزاد کی شاعری میں لکھتی ہیں:

> "آزاد کی طویل نظم 'اردو' جواب چھپ چکی ہے اور جس کو قبولِ عام کا درجہ حاصل ہو
> چکا ہے انجمنِ ترقی اردو شاخ دہلی کے سالانہ جلسہ 1952 میں آزاد نے پڑھی تھی۔
> ہندوستان کے اکثر مشاعروں میں یہ نظم آزاد سے فرمائش کر کے سنی گئی اور پسند کی
> گئی۔[8]

جب آلِ تیموری کی حکمرانی تھی تو ہندو مسلم اتحاد تھا اور تب انسانیت، شرافت اور مروت کا دور تھا، اس دور میں ہی امن وراحت تھی کیونکہ دونوں قومیں یعنی ہندو اور مسلم اس قدر پیار اور محبت سے رہتے تھے جس سے ہندوستان میں ہر طرف پیار کی

رسمیں اور شانتی ہی شانتی تھی۔ ہندو و مسلم دونوں حکمران تھے اور مل کر اپنے وطن کی حفاظت کرتے تھے۔ دونوں قوموں کا تمدن ہندوستان کی سرزمین امن کا گہوارہ تھی۔ امن کے اس باغ میں دونوں تہذیبیں اپنے ارتقا کی منازل طے کر رہیں تھیں۔ سرکاری زبان فارسی تھی لیکن بول چال ہندی تھی۔ دونوں زبانوں کے ملاپ سے ایک اور زبان وجود میں آئی۔ لیکن اس میں ایک ایسی قباحت موجود تھی کہ عملی زندگی میں مسلسل مشکلات آئیں۔ جب ہندوستان میں ترک اور ایرانی آئے تو ایک دوسرے کو اپنی بات سمجھانی مشکل ہو گئی۔ آخر کار خلوصِ دل سے یہ مشکل بھی حل ہو گئی کہ دونوں زبانوں کے اشتراک سے ایک نئی زبان وجود میں آئی۔ نئی وجود میں آنے والی زبان دوسری دونوں زبانوں سے بھی زیادہ دلنشین نکلی۔ اور بالآخر اس زبان کا نام "اردو" تجویز کیا گیا جس میں مروت اور جہانگیری تھی۔ جب سب کو ایک دوسرے کی زبان سمجھ میں آنے لگی تو اس دورِ شاہ جہانی میں آسمانوں کا لطف آنے لگا۔ اجڑے ہوئے گلستان میں بہار آگئی اور ہر طرف ایک نئی زبان بولی جانے لگی۔

کیا "اردو" بآلاخر وقت نے تجویز نام اس کا
مروت اس کا شیوہ تھا جہانگیری تھا کام اس کا
ہمارے دیس کے اجڑے گلستاں میں بہار آئی
ہوئی اک طرز نو پر اس وطن میں محفل آرائی(9)

لیکن اس دور کو شائد کسی کی نظر کھا گئی اور اس دور پر زوال آگیا۔ لوگوں کو یہ طریقہ ناپسند آنے لگا اور ہر طرف نفرت پھیلنے لگی۔ حقیقت عیاں ہو گئی اور جھوٹی باتیں ہر طرف پھیلنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ الفت اور محبت صرف ایک افسانہ اور ٹوٹا ہوا ایک پیمانہ بن کر رہ گئی۔ جب وقت بدلا تو ہر طرف کچھ اور ہی منظر تھا سب کی زبان پر الٹا ہی سبق تھا۔ اور انہی نگاہوں میں محبت کی جگہ نفرت نظر آنے لگی۔ جب وقت بدلا تو ہر طرف ظلمت نظر آنے لگی اور پھر یہ ہوا کہ محبت ہار گئی اور دشمنی والے جیت گئے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جس میں ہم سانس لے رہے ہیں اور اسی کیچڑ کی ندی میں ہم اپنی کشتی چلا رہے ہیں۔ آزاد کہتے ہیں کہ یہ یہی وہ دور ہے جو ہمیں ورثے میں ملا تھا اور ہم اس دور کے بارے میں کسی کو کیا بتائیں کہ ہم نے جو پایا تھا وہی گنوا دیا ہے۔ یہ وہی دور تھا جس میں تہذیب و تمدن کی بھرمار تھی اور پورا ہندوستان سونے کی چڑیا تھا لیکن اب سارا کچھ الٹ ہو گیا اب وہ پیار اور اخلاص کی باتیں نہیں رہی۔ لیکن اب بھی ایک ایسی چیز باقی ہے جو بچھڑے ہوؤں کو ملا سکتی ہے اور اس ملک کی بگڑی بات بنا سکتی ہے۔ سچائی کی زنجیر ابھی باقی ہے جو سب کو ملا سکتی ہے اور اگر ہم غور سے دیکھیں تو تعمیر ابھی باقی ہے۔ مگر افسوس کہ اس پر اب بدگمانی کا راج ہے اور یہ مخالفوں کو ایک مرکز پر لاتی ہے وہ غلط ہے جو کہتا ہے کہ یہ غیروں کی زبان ہے بلکہ یہ تو اخلاص اور پیار کی زبان ہے۔

جگن ناتھ آزاد کہتے ہیں کہ اے معترض ذرا ایک لمحے کی زحمت کر کہ میرے ساتھ آ! تا کہ میں تمہیں اردو کے بزم کا نظارا دکھاؤں۔ آپ لکھتے ہیں:

غلط ہے جو سمجھتا ہے اسے اغیار کی بولی
یہ ہے اخلاص کی طرز تکلم پیار کی بولی(10)

جگن ناتھ آزاد نے تمام عمر اردو زبان وادب کی خدمت کی اور اسے دنیا کی سب سے بڑی زبان بنانے کے لیے اپنی ساری زندگی وقف کر دی۔ آپ نے لوگوں میں اپنی زبان کا شعور جگایا اور انھیں اپنی پرسنل لائبریری سے کتب، رسائل اور اخباریں تحفے میں دیے تا کہ لوگ مفت کتابیں پڑھ کے ہی اردو زبان سے جڑے رہیں اور اردو زبان کی ترویج وترقی کوشاں رہیں۔

آزاد اردو کے ایک مخلص استاد تھے انھیں اردو مشاعروں میں یک جہتی کا گماں ہوتا اور وہ اپنے ہم عصر شعرا کی دل کھول کے داد دیتے اور ان کی مدد بھی کرتے۔ آپ کہتے کہ اردو کی محفل وہ محفل ہے کہ جس میں برق جن کا پورا نام مہاراج بہلو ربرق دہلوی تھا ان کی مشہور تصانیف مطلع الانوار، حرفِ ناتمام اور کرشن درپن ہیں۔ چکبست جن کا پورا نام برج نارائن چکبست تھا وہ شاعر اور مضمون نگار تھے۔ شعر میں صبح وطن اور نثر میں مضامینِ چکبست آپ کی یادگار ہیں۔ ان کے بارے میں آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

وہ محفل ہے جس میں برقؔ و چکبستؔ و سرورؔ آئے
کہ جن کے شعر پڑھ کر فکر انسانی میں نور آئے
محفل ہے زینت جس کی سرشارؔ کے دم سے
نسیم خوش بیاں کی طبع گوہر بار کے دم سے(11)

اور سرور جو کہ درگا سہائے سرور ہیں جو انامرگ شاعر، خم خانہ سرور اور جامِ سرور کے مصنف ہیں۔ یہ سب ایسے شاعر ہیں کہ جن کے شعر پڑھ کر انسان کی معرفت اور علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ وہ محفل ہے کہ جس کی زینت سرشار کے دم سے ہے سرشار کا پورا نام رتن ناتھ سرشار ہے۔ فسانہء آزاد آپ کی لازوال یادگار ہے۔ نسیم کی وجہ سے ہی اردو کی طبع میں خوش بیانی ہے۔ دیا شنکر نسیم کی مشہور مثنوی گلزارِ نسیم ریاض اردو کا ایک ایسا پھول ہے جس تک خزاں کی رسائی ممکن نہیں۔ ہندوستان کا محرم فراق جن کا پورا نام رگھوپتی سہائے فراق ہے جو نظم و نثر میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ۔ تصانیفِ نظم میں شعلہ ء ساز، شبنمستان، روپ، مشعل۔ تصانیفِ نثر اندازے شامل ہیں۔ یہ وہ محفل ہیں جسے تفتہ جیسے سخنور اپناتے ہیں۔ تفتہ مرزا غالب کے

شاگرد و عزیز تھے جن کا پورا نام مرزا ہر گوپال تفتہ تھا اردو اور فارسی کے قادرالکلام شاعر ہیں۔ تضمینِ گلستان آپ کا ایک جاودانی کارنامہء چار یوان فارسی کے اس کے علاوہ ہیں۔ وفا جن کے بولنے سے پوری محفل پر فسوں طاری ہو جاتا ہے وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ وفا جن کا نام میلا رام وفا ہے جو کہ اردو کے لغز گو شاعر ہیں سوزِ وطن آپ کی سیاسی نظموں کا مجموعہ ہے۔ ہری چند اختر ہندوستان کا وہ نامور شاعر جس نے غزل کے قالب میں نئی روح پھونکی۔ آپ لکھتے ہیں:

"ہری چند اختر اس میں عرش اس میں جوش ہے اس میں
شرابِ علم و فن کا آج ہر مدہوش ہے اس میں"[12]

آپ نے علم و فن کی زبان اردو کو قرار دیا اور اردو کے سچے اور ہمدرد غدمت گار کی حیثیت سے کام کیا۔ بحیثیت استاد ان کے اخلاقِ حسنہ اور قابلیت پر تحقیق کی جائے تو معلوم ہو گا کہ آپ نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ اردو زبان کا معیار اور تعلیم کا معیار بلند ہو اور استاد و شاگرد کے رشتے میں قربت اور احترام بڑھے۔ طلبہ میں اردو پڑھنے اور سیکھنے کا ذوق و شوق پیدا ہو۔ ان کی شاعری میں انسان دوستی کا درس ملتا ہے۔ اس بارے میں محمد توفیق لکھتے ہیں:

"جگن ناتھ آزاد کے اشعار ان کی انسان دوستی اور ان کے خلوص کے آئینہ دار ہیں
جس کے ایک ایک لفظ سے محبت، تلخی، تمناسب کچھ جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔"[13]

کیفی کی بھی ادبی زبان اردو ہے اس بات پر آزاد نازاں ہیں۔ اردو کے بہت بڑے خادم اور بہت بڑے محسن ہیں آپ کی تصانیف میں کلیاتِ کیفی شامل ہیں۔ کیفی کے بارے میں رقمطراز ہیں:

کیفی ناز فرماتا ہے آج اردو ادب جس پر
علمبردارِ حکمت کا روان فکر کا رہبر[14]

جگن ناتھ آزاد کو اُردو زبان سے بے انتہا محبت تھی۔ اس زبان کی شیرینی سے وہ ہمیشہ مٹھاس محسوس کرتے رہے۔ نہ صرف اس زبان کو گلے لگایا بلکہ اس کو اپنی صلاحیتوں سے پروان بھی چڑھایا۔ غیر مسلم شعرا کے دلوں میں اُردو کے تئیں جو محبت ہے ان میں جگن ناتھ آزاد کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ توفیق خاںٓ

"وہ اردو ادب کی آبرو ہی نہیں اردو ادب کی شان، اردو ادب کی جان ہیں۔"[15]

جگن ناتھ آزاد نے اپنے آپ کو اردو زبان و ادب کے لیے وقف کر دیا تھا یعنی ان کا اوڑھنا بچھونا، اُٹھنا بیٹھنا، سوچنا اور گفتگو کرنا سب کچھ اردو کے لیے تھا۔ اُردو کی خدمت اور آبیاری کو انھوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔ اردو سے اسی پیار کی ایک

مثال نذرِ آزاد میں ان الفاظ میں موجود ہے کہ "جموں یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے صدر پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے وائس آف امریکہ اور تھرڈ ورلڈ ٹیلی ویژن نیویارک کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اب وقت آگیا ہے جب اقوام متحدہ اردو کو ساتویں سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کرے۔ انھوں نے کہا کہ برصغیر پاکستان وہندوستان اور برطانیہ کے بعد شمالی امریکہ اردو کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ آپ کو پاکستان اور ہندوستان دونوں ممالک میں یکساں مقبولیت اور پیار حاصل ہوا۔ ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں:

> "شاید ہی اردو کا کوئی ایسا ادیب یا شاعر ہو، جسے اپنے ملک کے مقابلے میں کسی اور ملک میں اتنی زیادہ مقبولیت حاصل ہو، جتنی آزاد صاحب کو ہے۔ ہندوستان میں تو آزاد صاحب کا نام اوران کے کارنامے اردو والے ہی جانتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں تمام زبانوں کے بولنے والے آزاد صاحب کے نام سے واقف ہیں۔"[16]

ان کی شاعری کا کمال یہ ہے وہ پرانے اور روائتی لکھنے والوں اور نئی نسل کے لکھنے والوں کے پسندیدہ شاعر ہیں۔ بلاشبہ جگن ناتھ آزاد ایسی شخصیت کا نام ہے جنہیں بین الاقوامی سطح پر شہرت، عزت اور ہر دلعزیزی حاصل ہوئی۔ آج جہاں جہاں اردو بولی اور پڑھی جاتی ہے وہاں وہاں آزاد کا نام محبت واحترام سے لیا جاتا ہے۔ اردو کی ادبی دنیا میں آج بھی روشن ستارے کی مانند چمک رہے ہیں۔

حوالہ جات

---

[1] اسلم پرویز (مدیر) سہ ماہی، **اردو ادب**، شمارہ جولائی تا ستمبر، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، 2004، ص12

[2] ایضاً، ص5

[3] ایضاً

[4] ایضاً، ص19

[5] محمد توفیق خاں، **جگن ناتھ آزاد، اردو ادب کی آبرو**، انڈیا: کریسنٹ ہاؤس پبلیکیشنز، 2004، ص22

[6] جگن ناتھ آزاد، **اردو**، دہلی: کوہِ نور پرنٹنگ پریس، 1966ء، ص7

[7] ایضاً، ص64

[8] حمیدہ سلطان، جگن ناتھ آزاد اور اس کی شاعری، نئی دہلی: مونو میٹل پبلشرز، 1991، ص15، 14

[9] جگن ناتھ آزاد، **اردو**، ص14

10 ایضاً، ص17

11 ایضاً، ص18

12 ایضاً، ص19

13 محمد توفیق خاں، **جگن ناتھ آزاد، اردو ادب کی آبرو**، ص94

14 جگن ناتھ آزاد، **اردو**، ایضاً، ص22

15 محمد توفیق خاں، **جگن ناتھ آزاد، اردو ادب کی آبرو**، ص9

16 خلیق انجم، مرتبہ، جگن ناتھ آزاد (حیات اور ادبی کارنامے)، جلد اول، نئی دہلی: ثمر آفسیٹ پرنٹرز، 1993، ص6